مقالاتِ مفتی محمود سیمپوزیم جون ۱۹۹۶ء

تذکارِ محمود رحمہ اللہ

ترتیب و تقدیم

محمد فاروق قریشی

مفتی محمود اکیڈمی پاکستان (کراچی)

مقالاتِ مفتی محمود سمپوزیم، بنوں ۹۶ء

تذکارِ محمود رحمہ اللہ

ترتیب و تقدیم

محمد فاروق قریشی

مفتی محمود اکیڈمی پاکستان (کراچی)

اللّٰھم

صلّ علیٰ محمد و علیٰ آل محمد

کما صلیت علیٰ ابراہیم و علیٰ آل ابراہیم

انک حمید مجید

اللّٰھم

بارک علیٰ محمد و علیٰ آل محمد

کما بارکت علیٰ ابراہیم و علیٰ آل ابراہیم

انک حمید مجید

[illegible]

سلسلہ اشاعت	:	۵
اشاعتِ اول	:	ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ / دسمبر ۲۰۰۵ء
نام کتاب	:	تذکارِ محمودؒ
مرتب	:	محمد فاروق قریشی
کمپوزنگ	:	حامد احمد شرفی
صفحات	:	۳۲۰
مطبع	:	الحرمن پرنٹرز۔ کراچی
قیمت	:	200/=

ناشر

مفتی محمود اکیڈمی۔ پاکستان

کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ رشیدیہ نزد مقدس مسجد، اردو بازار۔ کراچی

۲۔ اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

۳۔ مکتبہ قاسمیہ، اردو بازار۔ لاہور

۴۔ جمعیت پبلی کیشنز، وحدت روڈ۔ لاہور

انتساب

افکارِ محمودؒ کے امین، مفتی محمودؒ اکیڈمی کے نگرانِ اوّل

فقیہ ملت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کے نام

؎ اک ولولۂ تازہ دیا جس نے دلوں کو

پر اپنے اقتدار کو طول دینے کی طویل پالیسی پر گامزن ہونے لگا تو حضرت مفتی صاحب نے قوم کو اس خطرے سے بروقت آگاہ کرتے ہوئے مارشل لا حکومت کو متنبہ کیا کہ ان کے عزائم ملک و ملت کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوں گے لہٰذا جس قدر جلد وہ اپنے وعدے کے مطابق انتخابات کرا کر اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپ دیں اسی قدر قوم اور خود ان کے لیے بہتر ہوگا۔ لیکن اقتدار کے نشے میں سرشار مارشل لا حکمرانوں کے لیے یہ فغان درویش محض نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوئی اسلام کے نام پر غیر شرعی طریقے اختیار کیے گئے اور علما کا ایک طبقہ اپنی حمایت میں متحرک کر دیا گیا لیکن مولانا مفتی محمود کی بصیرت نے پھر قوم کی رہنمائی کی اور انھوں نے اعلانیہ اس دام تزویر کو تار تار کر دیا کہ یہ اسلام نہیں بلکہ اسلام کے نام پر فریب دیا جا رہا ہے۔ چناں چہ جہاں انھوں نے ایک طرف مارشل لا حکومت کے خلاف تمام سیاسی جماعتوں سے رابطہ کرنے کے بعد ایک عظیم اتحاد کی طرف پیش رفت کی تو دوسری طرف زکوٰۃ جیسے شرعی قوانین کے سلسلے میں علما سے مذاکرات شروع کیے۔ اس مشن پر سفر حج پر روانہ ہوتے ہوئے ۱۴/ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو کراچی کے علمائے کرام اور مفتیان عظام کا اجتماع جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں طلب کیا تا کہ علما کو حکومت وقت کی نام نہاد اسلامی اصلاحات کے پس پردہ اثرات و محرکات کے بارے میں آگاہ کر سکیں۔

اجتماع میں حسب پروگرام حضرت مفتی صاحب نے حکومت کی جانب سے جبری زکوٰۃ کے مسئلہ پر اظہار خیال کرنا شروع کیا کہ اچانک خالق حقیقی کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ تمام عمر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنے اور اس کے نظام کی حکمرانی کے لیے جدوجہد کرنے والا کیسے تاخیر کرتا؟

اور یوں بیت اللہ کا یہ مسافر اپنے عمل صالح کی متاع بے بہا لے کر خدا کے دین کی سربلندی کی گفتگو کرتے ہوئے علما کے اجتماع سے اس شان سے اپنے رب کے حضور روانہ ہوا کہ ایک عالم رشک اور حیرت کی کیفیت سے سرشار ہے۔

تذکارِ محمودؒ

۱۳

مفتی محمود کا پارلیمانی کردار

سید ظہیر الدین ایڈووکیٹ
بنوں

مفتی محمودؒ اکیڈمی پاکستان کراچی

بچانے میں کام یاب ہوئے تھے۔

قومی اسمبلی کا ممبر منتخب ہونے کے بعد ایوب خان کی اسمبلی میں حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا کیوں کہ ہر رکن اسمبلی پولیس کی نظروں میں ہوتا تھا۔ حکومت لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتی لیکن مولانا مفتی محمود نے بار مخالف کی تمام تر تندی و تیزی کے باوجود اسلام اور آزادی اظہار کا چراغ اس جرأت سے روشن کیا کہ اپنے پرائے سب حیران رہ گئے۔

مفتی صاحب نے قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں حلف وفاداری کے موقع پر ہی ایوب خان کے غیر اسلامی، غیر جمہوری اور آمرانہ دستور کے خلاف بغاوت کردی۔ انھوں نے حلف نامے کے اس جملے کے بعد کہ:

"دستور کو باقی اور قائم رکھوں گا"

اپنی طرف سے ان الفاظ کا اضافہ کیا

"اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس کو جوں کا توں رکھیں گے۔ بلکہ اس دستور کے دیے ہوئے اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے ان جملہ خرابیوں اور خامیوں کو جو کہ کتاب و سنت یا جمہوری لحاظ سے اس میں ہوں گی ان میں ترمیم و تنسیخ کریں گے۔"

مفتی صاحب کے یہ الفاظ حلف کی کارروائی میں باقاعدہ درج ہوئے۔ اور ان کی نکتہ آفرینی، سیاسی بصیرت اور حق گوئی و بے باکی کے ہمیشہ کے لیے گواہ بن گئے۔

مفتی صاحب نے آزاد خارجہ پالیسی، بجٹ، عائلی قوانین پر جو تقریریں کیں، وہ ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ انھوں نے بنیادی حقوق کے بل میں آزادیٔ مذہب کی شق پر شدید اعتراض کیا۔ کیوں کہ اس طرح ارتداد کا راستہ کھلتا تھا۔ انھوں نے اس دفعہ میں یہ ترمیم پیش کی کہ "کسی مسلمان کو مرتد ہونے کی اور ملک میں ارتداد کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔" مفتی صاحب نے دستور میں سربراہِ مملکت کے لیے مسلمان ہونے کی ترمیم پیش کر کے اس چور دروازے کو بند کر دیا۔ جس کے ذریعے پاکستان

جیسے خالص مسلم ریاست کا سربراہ کسی وقت بھی غیر مسلم بن سکتا تھا۔

قومی اسمبلی میں دوسرا بڑا معرکہ جو حکومت اور مولانا مفتی محمودؒ مرحوم و مغفور کے درمیان لڑا گیا۔ اس کی بنیاد خلاف اسلام عائلی قوانین تھے۔ وہ معرکہ مفتی صاحب کی زندگی کا ایک تاب ناک باب ہے۔ مفتی صاحب نے یہ جاننے کے باوجود کہ ایوب خان اس مسئلے کو اپنے ذاتی وقار کا سوال بنا چکا ہے۔ اس آرڈیننس کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس موقع پر مفتی صاحب نے قومی اسمبلی میں جو تقریر کی وہ ایک گھنٹے دس منٹ پر محیط تھی۔ اس تقریر میں مفتی صاحب عائلی قوانین کا ایک ایک گوشہ زیر بحث لائے تھے۔ سارا ایوان مفتی صاحب کی ایمان افروز تقریر کی رو میں بہہ رہا تھا۔ اور اس مسئلے پر حکومت کی شکست یقینی ہوگئی تھی۔ کیوں کہ مفتی صاحب نے ممبران قومی اسمبلی کو اسلام کے مطابق قائل کرلیا تھا۔ مگر اس وقت اقتدار کے فرماں روا ڈپٹی اسپیکر نے کمال ہنر مندی سے کام لے کر رائے شماری کو اگلے وقت پر ڈال دیا۔ اس دوران اگرچہ حکومت "ضمیر فروش نمائندگانِ قوم" کا ضمیر خرید کر اس "لعنت" کو برقرار رکھنے میں کام یاب ہوگئی۔ لیکن عوامی سطح پر ایوب خان کی شہرت کو جو نقصان پہنچا۔ خود ایوب خان نے اپنی خود نوشت میں دو دفعہ اس کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد دوسرے عام انتخابات ایوب خان نے ۱۹۶۵ء میں کرائے اور چوں کہ ایوب خان عائلی قوانین کے آرڈیننس اور خاندانی منصوبہ بندی کے مسئلہ پر مفتی محمود کے لگائے ہوئے زخموں کو بھولا نہ تھا۔ چناں چہ مفتی صاحب کو ۱۹۶۵ء کے عام انتخابات میں اس کی سزا بھگتنا پڑی۔ ان کا انتخابی حلقہ جو ایک مضبوط قلعہ تھا۔ حکومت کی دست رس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ۱۹۶۵ء کے انتخابات میں مفتی صاحب کو ناکام بنانے کے لیے خاص ہدایات جاری کردی گئیں۔ اس کے باوجود بھی مفتی صاحب نے الیکشن لڑا۔ لیکن حکومت کی انتہائی مداخلت کی وجہ سے مفتی صاحب یہ الیکشن ہار گئے۔ مگر حقیقت میں یہ ہار بھی ان کی جیت تھی۔

جب ۷ رد سمبر ۱۹۷۰ء کو ملک میں عام انتخابات ہوئے۔ تو مغربی پاکستان میں

چلتی ہے۔ ہمارے ملک کی بدقسمتی یہ رہی ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے چھبیس سالوں تک اسلامی اور ملی تقاضوں سے ہم آہنگ کوئی دستور ملک اور قوم کو نہیں دیا۔ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء میں دو دستور ہمیں ملے۔ ان میں ون یونٹ کی بات تو تھی۔ وفاقی پارلیمانی نظام بھی تھا۔ اور صدارتی نظام بھی مگر اسلام، وہ اسلام جو کہ پاکستان کا سب سے بڑا تخلیقی عنصر تھا۔ وہ اسلام جس کے لیے لاکھوں افراد نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ وہ اسلام جس کے لیے لاکھوں افراد نے اپنا گھر بار چھوڑا تھا۔ وہ اسلام جو دین و دنیا کا جامع ہے۔ وہ نظام جو ہماری بقا کا ضامن ہے۔ وہ اسلام جو پاکستان کی بقا کے ہم معنی ہے۔ وہ اسلام جس کے لیے ہماری ماؤں، بہنوں، بہوؤں اور بیٹیوں کی عزتیں پامال ہوئیں۔ وہ اسلام ان دو دساتیر میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ ۱۹۶۲ء کے آئین کے خالق جنرل ایوب خان مرحوم تو پاکستان کے ساتھ "اسلامیہ جمہوریہ" کا سابقہ تک دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ ۱۹۵۶ء کا آئین مرتب کرنے والوں نے بھی اسلام کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا۔ یہ حکمرانوں کے ظلم و ستم تھے۔ دوسری طرف سیاست دان تھے۔ جنھوں نے سیاست و انتظام ملکی میں سیکولرازم، سوشل ازم، ڈیماکریسی، اور صوبائی خود مختاری کے نام نہاد نعرے تو بلند کیے بنیادی جمہوری حقوق کے چیمپین بھی بہت تھے۔ زبانی جمع کلامی اسلام کا نام لینے والے بھی بہت سے تھے۔ مگر اسلام کے سنہری اصولوں کو دستور میں شامل کرنے والا یہ مرد درویش حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور اس کی جماعت جمعیت علمائے اسلام کی مساعی حد درجہ منفرد و قابل ستائش اور ہماری پارلیمانی تاریخ کا درخشاں اور نا قابل فراموش باب ہے۔

جب مملکت خداداد پاکستان کے لیے مستقل آئین کا مرحلہ آیا تو مفتی صاحب نے اسمبلی کے اندر اور باہر بے مثال جدوجہد کی اور جب آئین سازی کے لیے تمام پارلیمانی پارٹیوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک آئین ساز کمیٹی بنی۔ تو اسلام کا یہ سپاہی وہاں سینہ سپر ہو گیا اور اس جدوجہد کا ثمرہ تھا کہ ہمارے دستور میں پہلی بار چند اہم اسلامی دفعات شامل ہوئیں۔ دین اسلام کو مملکت کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ صدر

اور وزیراعظم کو مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ان پانچ چیزوں پر ایمان رکھنے کے اقرار کا پابند کیا گیا (۱) توحید الٰہی، (۲) صحائف آسمانی جن میں قرآن پاک آخری صحیفہ ہے (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر اور یہ کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں (۴) یوم قیامت پر (۵) قرآن و سنت کے تمام تقاضوں اور تعلیمات پر۔ مفتی صاحب بیان کرتے ہیں کہ اپوزیشن کو آئین میں اسلامی دفعات شامل کرانے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پیپلز پارٹی کے ارکان نے ہر قدم پر رکاوٹیں پیدا کیں۔ قومی اسمبلی کے آئین ساز کمیٹی میں جب اپوزیشن نے وزیراعظم کے مسلمان ہونے کی شرط پیش کی۔ تو حزب اقتدار کے ارکان نے اس کی مخالفت کی۔ رائے شماری پر اپوزیشن کی یہ قرارداد ایک ووٹ کی اکثریت سے تسلیم کر لی گئی۔ اس وقت کے مرکزی وزیر داخلہ عبدالقیوم خان ہر مرحلہ پر اس بات کی مخالفت کرتے رہے کہ صدر پاکستان اور وزیراعظم کے لیے آئین میں مسلمان ہونے کی شرط رکھی جائے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مفتی صاحب نے صرف یہی نہیں کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے پاکستان کے دستور کی تشکیل میں گراں قدر حصہ لیا۔ بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ جمہوری بنانے میں بھی مفتی صاحب کا بڑا حصہ ہے۔ ملک کے ایک معروف ہفت روزہ "لیل و نہار" نے مفتی صاحب کے بارے میں ۴؍ مارچ ۱۹۷۳ء کے شمارے میں تحریر کیا ہے کہ:

> "مفتی صاحب بھٹو کے مقابلے میں ابھی تک ہر دباؤ اور تحریص کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور ان کے اس کردار کی وجہ سے بڑی حد تک نہ صرف دونوں صوبوں سرحد اور بلوچستان میں بحران کی گتھی سلجھے گی بلکہ قومی سطح پر حزب اختلاف کی منشا کے مطابق آمریت کے سایوں سے بچانے میں مدد ملے گی۔"

مستقل آئین کی تدوین کے موقع پر جب اپوزیشن نے سرکاری مسودۂ دستور پر اختلافی نوٹ لکھے، تو حکومت بوکھلا اٹھی۔ اور ایک بحران پیدا ہو گیا۔ حکومت کا الزام

یہ تھا کہ اپوزیشن نے ۲۰/ اکتوبر کے سمجھوتے سے انحراف کیا ہے۔ اس آئینی سمجھوتے میں طے پایا تھا کہ

(الف) مملکت کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔

(ب) ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

(ج) صدر مسلمان ہوگا اور صدر کے عہدے کا حلف لیتے وقت اس بات کا بھی حلف اٹھائے گا کہ وہ مسلمان ہے۔

(د) اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جائے۔

(ہ) عدلیہ اور چیف الیکشن کمشنر انتظامیہ سے آزاد ہوں گے۔

(و) وفاقی پبلک سروس کمیشن میں ہر صوبے کے نمائندے ہوں گے، جن کا تقرر صدر مملکت صوبائی حکومتوں کی سفارش پر کریں گے۔

(ز) سرکاری ملازموں کی ملازمت کا تحفظ آئین میں شامل نہیں ہوگا۔ یہ تحفظ قانون کے تحت ہوگا جیسا کہ دوسرے ملکوں میں ہوتا ہے۔

(ح) آئین میں ترمیم قومی اسمبلی کے دو تہائی ارکان کی تائید سے ہو سکے گی۔ اور اس کے بعد سینیٹ میں سادہ اکثریت سے اس کی توثیق لازمی ہوگی۔

(ط) آئین میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی ضمانت شامل ہوگی۔

(ی) شہریوں کو بلا جواز امتناعی نظر بندی کے خلاف تحفظ دی جائے گا۔

(ک) قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد دو سو دس (۲۱۰) ہوگی جس میں دس خواتین شامل ہوں گی جنھیں اسمبلی کے باقی ارکان منتخب کریں گے۔

(ل) سینیٹ کے ارکان کی تعداد ساٹھ (۶۰) ہوگی جس میں ہر صوبے کے چودہ چودہ نمائندہ ہوں گے، اسلام آباد کے وفاقی علاقے کے دو اور قبائلی علاقوں کے دو ارکان سینیٹ کے رکن ہوں گے۔

اسی آئینی سمجھوتے پر پارلیمانی پارٹیوں کے نمائندوں (۱) ذوالفقار علی بھٹو

(پیپلز پارٹی) (۲) عبدالقیوم خان (مسلم لیگ قیوم گروپ) (۳) غوث بخش بزنجو اور ارباب سکندر خان خلیل (نیپ) (۴) مولانا مفتی محمود (جمعیت علمائے اسلام) (۵) سردار شوکت حیات (کونسل مسلم لیگ) (۶) میجر جنرل جمال دار خان (قبائلی ارکان) (۷) مولانا شاہ احمد نورانی (جمعیت علمائے پاکستان) (۸) پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی) اور (۹) سردار شیر باز خان مزاری (آزاد ارکان) کے دستخط تھے۔

لیکن اب حکومت اپوزیشن کو اس معاہدے سے انحراف کا الزام دے رہی تھی۔ اس موقع پر تمام پارلیمانی پارٹیوں کے راہ نماؤں کو ریڈیو اور ٹی وی پر اپنا مؤقف پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ مولانا مفتی محمود نے اس موقع پر جو معرکۃ آرا تقریر کی اور جس طرح انٹرویو لینے والے کو صحیح اور مدلل جوابات دیے۔ وہ مفتی صاحب کی آئینی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دستور کے پر پیچ اور آئینی مندرجات پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ آئینی بحث پر یہ اس شخص کے خیالات ہیں جس نے ایک دن کے لیے بھی کسی لا کالج یا یونی ورسٹی سے قانون یا سیاسیات کا درس نہیں لیا ہے۔ بلکہ ساری عمر مدرسہ اور مسجد کی چٹائی اس کا اوڑھنا بچھونا رہی ہے۔

بہر حال کافی بحث و تمحیص کے بعد حکومت نے اپوزیشن کے چند اہم مطالبات تسلیم کر لئے اور بعض مطالبات سے اپوزیشن دست بردار ہوئی اور اس طرح ۱۰/ اپریل ۱۹۷۳ء کو اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک آئین منظور کر لیا۔ جس کو ۱۹۷۳ء کا آئین پاکستان کہا جاتا ہے۔ یہ پاکستان کا پہلا وفاقی آئین تھا۔ جسے عوام کے منتخب نمائندوں نے تشکیل دیا اور جس میں سابقہ تمام دساتیر کی نسبت اسلام کے اصولوں کو زیادہ سے زیادہ جگہ ملی۔ نیز صوبائی خود مختاری کا مسئلہ بھی بالاتفاق طے ہو گیا۔

قادیانی مسئلے کا آئینی حل:

حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم و مغفور کا بحیثیت پارلیمانی لیڈر سب سے شاندار کارنامہ مرزائیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا ہے۔ اور اللہ رب العزت